بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کا وجود ایک چیلنج ہے، ان قوتوں کے لیے جو پاکستان بننے نہیں دینا چاہتی تھیں اور بن گیا تو اب انہیں اس کا وجود اور جوازِ وجود تسلیم نہیں ہے۔

ایک بڑی سرزمین، زیادہ آبادی اور زیادہ وسائل کی مملکت جو پاکستان کے لیے نت نئے سانحات اور خطرات پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس نے عام صنعت کے علاوہ بھاری جنگی مصنوعات کی تیاری کے لیے جو کام اب تک کیا ہے، جتنی فوج تیار کی ہے جتنے اسلحہ بین الاقوامی منڈیوں سے خریدے ہیں، ایٹمی قوت کے انبار تباہ کاری کے لیے جس طرح جمع کیے ہیں۔ ڈپلومیٹک عالمی سطح پر ریشہ دوانیوں کا جو زور باندھا ہے، پورے کرۂ ارض کے پروپیگنڈے میں اس کا جو حصہ ہے اور مسلمان ملکوں تک میں تجارتی مال کی کھپت، اپنی مین پاور کو جگہ دلوانے اور تعمیری ٹھیکے حاصل کرنے کے لحاظ سے جو پیش قدمی کی ہے، اُسے ذرا نگاہِ غور سے دیکھیے اور پھر دو مسائل پر دماغ کو مرتکز کیجیے۔ ایک نظریۂ اسلامی پر کھڑے ہونے والے پاکستان کے بچے بچے اور ذرے ذرے کے تحفظ کا مسئلہ، دوسرا جنوب مشرقی ایشیا کی قیادت و سیادت کا مسئلہ۔

اِس سلسلے میں ہم نے اپنے آپ کو بنانے اور مضبوط کرنے میں کیا کارنامے سرانجام دیے ہیں اور کس گول کو حاصل کیا ہے۔

یہ بات واضح ہو جائے، مایوس نہ ہمیں ہوں اور نہ قارئین کو ہونا چاہیے۔ مطلوب خیر خواہانہ تعمیری جذبے سے خود احتسابی ہے کہ ہو کیا رہا ہے اور کرنا کیا چاہیے۔

صنعت میں ہمارا یہ حال ہے کہ ابتدائی روزمرہ ضرورت کی اشیا، جن کا استعمال نہایت کثیر ہوتا ہے وہ تک ہم درآمد کرتے ہیں۔

نوابی شان کا یہ حال ہے کہ نہ صرف کاریں اور ائرکنڈیشنز اور ٹیلی وژن سیلابی رفتار سے چلے آرہے ہیں اور ہمارے زرمبادلہ کا غبارہ اُڑ رہا ہے اور دواساز کمپنیاں تو گویا ہمارے سینوں پر چڑھ بیٹھی ہیں، بلکہ ستم مزید یہ ہے کہ بناؤ سنگھار کے سامان (جواہرات، زیورات، لپ اسٹک وغیرہ) اور جنس زدہ سماج کے ساتھ کلچرل دھاچوکڑی کے لیے سارے لوازم باہر سے نازل ہوتے ہیں۔

وزرا کا معاملہ توفوق الفوق ہے کہ ان کے لیے تنخواہوں اور مراعات اور گاڑیوں اور اقامت گاہوں اور سفری وسائل اور سہولتوں کے علاوہ پبلک معاملات کے اختیارات بخصوصی ایسے حاصل ہیں جو قارون کے نامعلوم خزانوں کی کنجیاں ہیں، کسی بھی خزانے کو کھولیے تو دولت کی پریاں ناچتی نظر آتی ہیں۔ عام پارلیمانی ممبران کے لیے بھی اُٹھنے والے مصارف اور ان کو ملنے والے امتیازات معمولی نہیں ہیں۔ وزرا، ممبران، سیکرٹری اور اعلیٰ درجے کے ملازمین سرکاری خرچ پر غیرممالک میں جاکر مہنگے علاج کراتے ہیں اور سیروتفریح کرتے ہیں۔ باہر سے سامانوں کے جو بڑے بڑے سودے ہوتے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ ان میں کیا کیا ہیرپھیر ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ فوج کی فوج جب بدلتی ہے تو ہر کوئی نئے مطالبات اور نیا ذوق کے لیے آتا ہے۔ حتیٰ کہ گاڑیوں کی اقسام سے لے کر گاڑیوں کے رنگ تک پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ یہ ہیں انداز قوم کو قوم بنانے کے اور اسے دشمنوں سے بچانے کے۔ استغفراللہ!

رشوت و خیانت کا ایک ایسا طوفان[1] برپا ہے کہ عمائد حکومت اس کے زور شور کا خود اعتراف و اعلان کرتے ہیں اور اس کے ازالے کی امید دلاتے ہیں۔ ملک میں جس کو جس دائرے میں جس درجے کا اختیار

[1] گذشتہ چند ہفتوں میں مختلف محکموں کے اندر لاکھوں کروڑوں روپے کی خیانت کے مبینہ واقعات اخباروں میں آئے۔ معلوم نہیں کہ ان کا کچھ نتیجہ نکلے گا یا اندر ہی اندر معاملات ٹھپ جائیں گے۔ اور پھر اخباروں میں آنے والے زیرِگرفت جرائم کے مقابلے میں دسیوں گنا تو گرفت سے باہر اور نگاہوں سے مخفی ہیں۔

حاصل ہے، وہ اسی کے حساب سے قوم کے خزانے یا زد میں آنے والے ہر شہری کی جیب پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ اور اس معاملے میں بڑا تنافس (R A C E) پایا جاتا ہے۔ جیسے ہر کسی کو جلدی ہو کہ جتنا تیز رفتاری سے ممکن ہو۔ قوم کے زندہ جسم کی بوٹیاں نوش کر لی جائیں۔ کل معلوم نہیں کیا ہو جائے۔ کل کے لیے چونکہ کسی کو فکر نہیں، کوئی کچھ کر نہیں رہا، اسی لیے ہر کسی کی توجہ آج پر ہے۔ آج ہی مجھے پلاٹ مل جائے۔ میری کوٹھی بن جائے، کار دروازے پر آ کھڑی ہو، ٹیلی وژن لاؤنج میں رونق افزا ہو، پاؤں کے نیچے قالین بچھ جائیں، شاندار تقریبوں اور پارٹیوں اور ہوٹلوں اور کلبوں میں جا کر عزت حاصل کی جائے ـــــ ہائے یہ جھوٹی عزت!

یعنی قوم دونوں طرف سے شکاریوں میں گھری ہے۔ ایک شکاری تو باہر کی بڑی بڑی سرمایہ دار اور عیار اور طرار اقوام ہیں جو کبھی تھپکی دے کر اور کبھی دھمکی دے کر سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے ہماری رگِ گلو پر پنجے گاڑے رکھتی ہیں۔ دولت کھنچی چلی جا رہی ہے اور ہم افلاس زدہ لوگ انہی مہربانوں سے قرض لیتے ہیں۔ قرض مسلسل لیتے ہیں۔ قرض ادا کرنے کے لیے پھر اور قرض لیتے ہیں۔ اقتصادی پستی اور بڑھ جاتی ہے۔ دوا کرتے ہیں تو مرض اور بڑھتا ہے، کیونکہ اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں جس کے سبب "ایڈز" کا مرض لاحق ہوا ہے۔

دوسرے شاداب چہرے، قمری نوا اور شاہین پروانہ اور چیتے کی نگاہ رکھنے والے شکاری ہمارے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے کوئی انڈسٹری لگانا اور اسے دیر تک کامیابی سے چلانا اور دو دو، تین تین حساب رکھ کر اس سے کالا دھن نچوڑے بغیر مالکوں کا بہ حیثیت صنعت کار زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اور پھر یہ اندر کے شکاری باہر سے آنے والے قرضوں کا بھی کئی فیصد حصہ غت ربود کر جاتے ہیں۔ نتیجہ اور زیادہ غریبی، اور زیادہ پستی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ اور اگلا نتیجہ یہ کہ اور زیادہ قرض لیے جائیں۔ اور جن ملکوں کے ہم مقروض ہیں ان کی فہرست اتنی طویل ہے اور ان میں اتنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں شامل ہیں کہ جاننے والے کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

یہاں وزارتوں کی قیمتیں لگتی ہیں، ممبری کے نذرانے دینے پڑتے ہیں۔ آئندہ انتخاب میں کامیابی کے لیے ابھی سے قانونی اور غیر قانونی رشوتیں چل رہی ہیں۔ امتحانات پاس کرنے، فسٹ ڈویژن لینے، نوکریوں کے لیے انٹرویوز میں اچھے نمبر لینے، معلّمی تک کی نوکری کرنے، خاص خاص تھانے

حاصل کرنے وغیرہ تمام معاملات کے (RATES) مقرر ہیں۔ باقی رہے ٹھیکے، محکموں اور دفتروں کے لیے سامانوں کی خریداریاں اور بڑے بڑے بند یا ہوائی اڈے یا پل تعمیر کرنے کے کام، سو یہ "امیر پروری" کا وسیلہ ہیں۔ ان احوال کی صحیح گواہی تو سوئٹزرلینڈ اور دوسرے مغربی ممالک کے بنکوں کے حسابات ہی دے سکتے ہیں جو خفیہ ہیں۔[1]

اس پورے حالِ زار کو سامنے رکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے دشمنوں کو تو ہم نے یونہی نشانہ بنا رکھا ہے۔ اپنے اصل دشمن تو ہم خود ہی ہیں۔ ہم اپنے آپ کو توڑ رہے ہیں، کاٹ رہے ہیں، کچل رہے ہیں، پیس رہے ہیں، ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں، ذبح کر رہے ہیں، بوٹیاں کھا رہے ہیں اور خون پی رہے ہیں اور بموں اور گولیوں سے قیامت اُٹھا رہے ہیں۔

قوم کے دماغوں کا حال یہ ہے کہ وہ سیاست کے بے شمار محاذ بنا کر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں، ٹکراتے بیانوں اور انٹرویوز سے تمام آبادی کو پریشان کر رہے ہیں۔ جمہوریت کو جمہوری حقوق کی چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ مذہبی حضرات محراب و منبر کے محاذوں سے قوم کو پھاڑنے والے "جدالِ غیر احسن" میں مصروف ہیں۔ اسمبلیوں والے طرح طرح کی تحاریکِ التوا اور تحاریکِ استحقاق میں قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ مختلف واقعات و احوال پر بار بار لمبی بحثا بحثی ہوتی ہے۔ جب سے یہ دورِ جمہوریت شروع ہوا ہے، قومی اسمبلی کے ٹھوس کام کی مقدار بے حد کم ہے۔ اخبارات عورتوں کی تصاویر چھاپنے کے مقابلے میں لگے ہوئے ہیں۔ مضامین اور کالم ایسے لا رہے ہیں کہ فکری انتشار زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ ٹیلی وژن نوجوانوں اور بچوں کے لیے اپنے پروگراموں میں ہیروئن ملا کر ذہنوں کو مسحور کر رہے ہیں۔ مذہب اور مذہبی کرداروں کے خلاف آئے دن فضولیات سامنے آتی ہیں۔ جنس اور مغرب کی رندانہ ثقافت کو گھر گھر میں روزانہ پہنچایا جا رہا ہے۔ گویا فکری اور ثقافتی لحاظ سے میٹھے اور ہلکے زہر کی خوراکیں مریضوں کو دی جا رہی ہیں۔ علاقائی اور نسلی گروہوں میں برتری اور علیحدگی کے رجحانات پھیل رہے ہیں۔ نوجوانوں میں مایوسی اور اضطراب ہے۔

ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

---

[1] ہم نے جن باتوں کو اشاروں میں لکھا ہے، ان کے متعلق تفصیلی رپورٹ، خبریں، تقریریں اور بیانات اخباروں میں شائع شدہ ہیں اور ہماری نظر میں ہیں۔

انتہائی پریشان کن صورتِ حالات یہ بھی ہے کہ اندر کے تخریب کار تو رہے بجائے خود، باہر سے غیر ملکی بھی (اور ملک والے بھی باہر سے تربیت پا کر آنے والے بھی) بلکہ نظامِ جرم کاری کے سررشتہ دار بھی ہر قسم کی نگرانی سے آزاد ہیں۔ روس اور بھارت اور اسرائیل کے مرسلہ لوگ بھی جب چاہیں پاکستان میں داخل ہو جائیں، جدھر چاہیں گھومیں، جہاں چاہیں رہیں، جس سے چاہیں ملیں، وہ احتسابی نگاہوں کی زد میں نہیں ہیں۔ جرم یا تخریب کاری یا دہشت انگیزی سے پہلے ان کو پکڑا نہیں جا سکتا ہے۔ اور اپنی کارروائی کرنے کے بعد وہ ہاتھ نہیں آتے۔ کوئی شخص ہاتھ آ جائے تو وہ کسی نہ کسی طرح قانون کی گرفت سے نکل بھاگتا ہے۔

یہ قصۂ درد تو بہت لمبا ہے اور اس کی تفاصیل عرض کرنے کے لیے وقت چاہیے اور لاتناہی صفحات چاہئیں۔ اشاروں سے ہی کام چلاتے ہیں۔

جن حالات میں پاکستان بنا، ایک علاقائی اکثریت کے خلاف مسلم اقلیت نے زور لگا کر بنوایا۔ اور پھر اس اکثریت کی سیاسی قوت اور اس کے لیڈروں کا جو نقطۂ نظر تھا سب واضح شکل میں ریکارڈ پر ہے۔ بلکہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے پر اس کی قائدہ نے کہا کہ ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ حالانکہ بدلہ ابھی جاری ہے۔ وہ بدلہ ایک تو پاکستان نہ آ سکنے والے مسلمانوں سے لیا جا رہا ہے، دوسرے اسلامی تاریخ اور آثار اور اردو زبان اور مسلم پرسنل لا سے لیا جا رہا ہے۔ بدلہ یہ بھی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ڈپلومیسی سے دبا دیا گیا ہے، سیاچین گلیشیر پر چڑھائی کی گئی ہے، ہمیں مشکل میں ڈالنے کے لیے روس سے گٹھ جوڑ کر لیا گیا ہے اور اسرائیل سے یارانہ گانٹھ لیا گیا ہے۔ آج بدلہ لینے والی قوم کی فوجیں بھاری تعداد میں، بے حساب مشینی وسائل اور اسلحہ اور بارود کے ساتھ بارڈر کے اوپر موجود ہیں۔

سندھ میں اس کے ہم مذہب کارندے اسی انداز سے کام کر رہے ہیں جس پر ویسے ہی کارندوں نے مشرقی پاکستان میں کیا تھا، اور یہاں یہ حال ہے کہ ہمارے مالدار لوگ کڑاہی گوشت اور مٹھائی اور آئس کریم اور کبابوں کی دکانیں قطار در قطار کھول رہے ہیں اور گاہک یوں کھانے

پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں جیسے اور کوئی کام دنیا میں رہا ہی نہیں - یہ رنگ دیکھ کر ہم بھی خوش ہوتے ہیں کہ بڑی خوشحالی ہے اور دوسروں کو بھی یہ تماشا دکھاتے ہیں کہ دنیا بھر کی مقروض قوم کی توانائی کا حال دیکھیے - فی الحال تو قرض کی مے پیتے ہیں - آگے ہماری فاقہ مستی جو رنگ لائے گی، دیکھ لیں گے -

اگر اس قوم کو زندہ اور صاحبِ ایمان رہنماؤں کی ٹیم ملتی تو وہ لوگ صدارتیں اور وزارتیں کر کے اور جرنیل اور سیکرٹری اور جج بن کے معتدل فقر کا رنگ اختیار کرتے اور پھر قوم کو پکارتے کہ اے بوڑھو اور جوانو اور ماؤ اور بہنو! ہمیں جو خطہ ملا ہے، اسے باوجود غریبی اور قلتِ تعداد کے ہمیں نہ صرف بڑی بڑی خونخوار طاقتوں سے بچانا ہے، بلکہ اسی میں اسلامی نظامِ حیات کو اس طرح استوار کرنا ہے کہ وہ گلی گلی اور کونے کونے میں پھیل جائے اور ملک میں ایک غریب ترین آدمی بھی اس کی سعادتوں اور برکتوں سے محروم نہ رہے — لہٰذا آؤ، ہمارے ساتھ مل کر ۵۰ سال فقر کے گزارو - اس عرصے میں صرف زندگی کی ضروریات پر اکتفا کرو- آسائش اور تنعّم کو چھوڑ دو، کام کرو، دستکاریاں چلاؤ، تجارت کو پھیلاؤ - مزدوری کرو، علم حاصل کرو، سائنس پڑھو، ایجادات کرو، ضرورت کی ہر چیز ملک میں بنانا شروع کرو اور درآمد صرف وہ چیز کرو جس کا تعلق زندگی اور موت کے مسائل سے ہو- زراعت میں اس طرح جان کھپاؤ کہ زمین کا کوئی چپہ بے کاشت کے نہ رہنے دو اور ہر سال اپنے "ہلوں" کی لکیروں کو پھیلاؤ، بڑھاؤ - کھاد، زرعی آلات، ٹیوب ویل، کیڑے مار دوائیں حکومت سستے داموں قرض پر فراہم کرے گی — تمام پیداواروں کے انبار لگا دو - اور عالمی منڈیوں پر چھا جاؤ -

آؤ مل کر خدا کی عبادت بھی کریں، اس کی منشا کے مطابق علم بھی حاصل کریں، اس کی شریعت پر کاربند بھی ہوں - اور اس کی خلق کردہ دولت سے بھی زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کریں اور اس دولت سے دین و وطن کی تعمیر کا اجتماعی کام تیزی سے سرانجام دیں-

افسوس کہ یہ راستہ کوئی نہ اختیار کر سکا، اور اگر اسے جلد اختیار نہ کیا گیا تو یا تو ایک بار پھر غلامی کی سزا بھگتنی ہوگی، یا نیم غلامی کی یہ صورت کہ اپنے اجتماعی وجود کو دنیا کے کسی نہ کسی ساہوکار کے سامنے ہمیشہ کے لیے گروی رکھ دیا جائے - اور یہ صورت بڑی حد تک پیدا ہو چکی

ہے۔ بیرونی تہذیب، بیرونی افکار، بیرونی مقاصد، بیرونی اطوار کو پوری شانِ مقلدیت و مسحوری کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں اور مجالِ سرتابی نہیں۔ اس غیر مرئی جال کے حلقے ابھی اور تنگ ہوں گے اور پھر آہ و فریاد کا بھی اذن نہ ہوگا۔ ایک نئی قسم کا امپریلزم یا سامراج تیزی سے نشوونما پا رہا ہے۔ اور اس کا شکار بننے والوں میں ہم اس لحاظ سے درجہ اوّل رکھتے ہیں کہ کان "کھڑ" تک نہیں ہلاتے بلکہ من تو شدم تو من شدی کا وظیفہ جاری ہے۔

خاتمۂ کلام سے پہلے دُنیا کی غلام ساز طاقتوں (جن کے پاس دولت، علم، ٹیکنالوجی اور ڈپلومیسی اور جارحیت ہے)، کا گھناؤنا چہرہ آپ کے سامنے پشاور کے سابق انگریز چیف کمشنر سر جارج روس کیپل کے چند کلمات رکھتے ہیں، جو ایک مکالمہ میں انھوں نے مولانا محمد علی (کیبنٹ، قصور) مرحوم سے جولائی ۱۹۱۸ء میں کہے:

"سر جارج نے مُسکرا کر کہا کہ اس خیال (اسلامی حکومت کے قیام) کو دل سے نکال دیجیے۔ انگریزی حکومت ایسی دُور اندیش اور عقل مند ہے اور مسلمان من حیث القوم اس قدر بے وقوف کہ آسانی سے خریدے جاسکتے ہیں۔ کبھی بھی ان کے رہنماؤں کو خریدنے میں دقت پیش نہیں آئی۔ اگر ہمیں مولوی محمد علی نہیں مل سکتا تو کئی اور محمد علی مل جائیں گے۔ اور یہ میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان ایسی سادہ لوح قوم ہے کہ وہ اپنے اصل رہنماؤں کی پیروی کے بجائے ہمارے منتخب کردہ یا نامزد کردہ رہنماؤں کی دیوانہ وار پیروی کریں گے۔ ان کی تاریخ یہی ثابت کرتی ہے۔ وہ اپنے رہنماؤں کی پیروی نہیں کرتے، پرستش کرتے ہیں۔ اور جو قوم اپنے رہنماؤں کی پرستش کرتی ہے وہ ان کی غلطیوں کو نہ صرف نظرانداز کرتی ہے، بلکہ انہیں بھی محاسن میں شمار کرتی ہے۔ مولوی صاحب! ذرا سوچیے کہ ہم نے کیونکہ مسلمانوں کے انھی علما و مشائخ کی مدد سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کو فنا کر دیا۔ ہندستان میں سیّد احمدؒ صاحب بریلوی اور شاہ اسمٰعیلؒ شہید کی تحریک کو ملیا میٹ کر دیا۔ ترکی اور ایران میں سیّد جمال الدین افغانی اور مدحت پاشا کی تحریک کو کچل دیا۔ اور یہ سب کام آپ کے اپنے علما و مشائخ نے کیا۔ آپ بھی اگر سرکارِ انگریزی کے خلاف چلیں گے تو آپ

کا وہی حشر ہوگا جو آپ سے پیشتر انگریزی حکومت کے دشمنوں کا ہوا۔ میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ ہم آپ کو بڑی سے بڑی ملازمت پیش کر سکتے ہیں، تاکہ آپ کی قابلیت اور چمکے اور آپ دُنیائے اسلام کی ممتاز ترین ہستیوں میں شمار ہونے لگیں۔

(مشاہداتِ کابل و یاغستان از مولانا محمد علی قصوری مرحوم
ص ۱۷۰-۱۷۱)

اِس عبارت میں سے سر جارج اور انگریزی حکومت کے ناموں کو نکال دیجیے اور دونوں کی جگہ "نیا ثقافتی و اقتصادی سامراج" کے الفاظ رکھ دیجیے تو بات سمجھ میں آسکے گی۔ اور بات سمجھ میں آجائے تو پھر آپ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ہم لوگ ایک بہت ہی فراخ غیر مرئی پنجرے میں بند ہیں، جس میں ہماری پوری دُنیا آباد ہے اور اسمبلیاں ہیں، بار کونسلیں ہیں، کسٹم ہاؤس ہیں، ہیرا منڈیاں ہیں، آرٹس کونسلیں ہیں، مینا بازار ہیں، شبانہ تفریح کی مخلوط محفلیں ہیں۔ نیم عریاں جسم ہیں، فضا میں بے حجاب نسائی چہرے تیرتے پھر رہے ہیں۔ اخباروں میں ایک ایک فٹ کی نسائی تصویریں چھپ رہی ہیں اور شراب کی بوتلوں کے کاگ اُڑ رہے ہیں۔ اپنے اس مقام کو آپ سمجھ لیں تو پھر بڑی آسانی سے آپ ایک شعر سُن کر، ایک مجلس کا رنگ دیکھ کر، ایک ڈرامے کے کرداروں کو ملاحظہ کر کے، لیڈروں اور علماء کی تقریروں اور بیانوں کا جائزہ لے کر، نمائشِ حسن کے کسی بھی انداز سے بہرہ مند ہو کر، کسی آرٹسٹ کے آرٹ سے حظ اُٹھا کر، سِلے سلائے کپڑوں کے ڈیزائن دیکھ کر، زبان میں بیرونی لفظوں اور اندازِ بیان کی غیر فطری ملاوٹ اور گھلاوٹ کا جائزہ لے کر، اداکاروں اور اداکاراؤں اور مغنیوں اور مغنیات کے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر یہ جان سکیں گے کہ یہ ذہنی غلامی کی اُس آدم خور بیل کے پھول پتے ہیں جو نئے سامراج کے غیر مرئی قفس کی سنہری یا ڈالری تیلیوں پر پھیلتی چلی جارہی ہے اور ہم اس کی ایک ایک کونپل کو چومتے ہیں۔ اس بیل کے زہریلے اثرات کے فضاؤں میں پھیلنے کا اثر یہ ہے کہ خدا کی دین کی امانت دار قوم کے دانش ور لادینی سیاست کا ر سیکولرازم کے بُت کے سامنے سر جھکا کر عبادتی گیت گا رہے ہیں۔

پھر کیا آپ اس مصیبت سے بچ نکلنا چاہتے ہیں؟

اِس کا ایک ہی علاج ہے ___ خدا کے سامنے جُھک جایئے، رسولؐ اللہ کا دامن تھام لیجیے اور قانونِ شریعت کے سایے میں آجایئے۔ صرف اس طرح نئے شعور اور نئی زندگی اور ذوقِ تحفظ اور جذبۂ استحکام اور فروغِ آزادی کا اہتمام ہوسکتا ہے۔

ورنہ خود پیدا کردہ ناخوشگوار حالات کے کھرل میں پڑے ہوئے تقدیر کے ہاون دستے سے پِستے رہیے۔ جسے حرکت میں رکھنے کے لیے جبریت پسند قوتوں کے متعدد ہاتھ موجود ہیں۔

تقدیر کے نشتر ہیں، فرعون ہوں یا چنگیز

یہ باتیں صرف آپ کو جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لیے ہیں۔ اگر اب بھی کروٹ لے سکیں اور آنکھیں کھول سکیں تو شاید یہ اُلجھی ہوئی بازی جیتی جاسکتی ہے۔